International Research Jounral of Islamic Culture & Communication

IRJICC

ISSN:3007-4630 (P),3006-8304(E)

میراجی کی گیت نگاری کا تنقیدی جائزہ

MEERAJI'S SONGWRITING : A CRITICAL STUDY

1. ***Dr Shazia Sajid sulehri***
shazia.sajid@kinnaird.edu.pk
Assistant professor, Urdu department Kinnaird college Lahore.

2. ***Eman Alam***
alameman84@gmail.com
Mphil Scholar GCU University Lahore.

Vol. 03, Issue, 01, Jan-March 2025, PP:31-51

OPEN ACCES at: www.irjicc.com

Article History	Received	Accepted	Published
	15-01-25	03-02-25	30-03-25

Abstract

Since ancient times, songs have been an effective means of expressing human emotions and feelings. Through the genre of songwriting in Urdu literature, many lyricists, and on the basis of their creative abilities, many excellent songs have been included in literature. Which became quite popular due to their subject matter and style of expression. Among them, a well-known name is Miraji. Whose songs have their own unique place due to their uniqueness. This article has been presented to clarify this place and status.This article is divided into three chapters. Chapter one describes the introduction and tradition of lyricism. Lyricism is an expression of love by a woman. In which the beloved is a man. And the lover is a woman. Musicality is the main aspect in lyricism. Its tradition is quite ancient. The medium of expressing the emotions of human life is his voice, through which he expresses his happiness and sorrow. When he is physically happy, he expresses his

CC BY

happiness through dance. But when he is internally happy, he expresses it through words. Which come before us in the form of lyricism. Many lyricists in Urdu literature have immensely added to the tradition of lyricism by expressing their emotions through their words. Who have been mentioned briefly in this chapter.The second chapter sheds light on the personality and art of Miraji. To understand any poet or writer, a careful study of his life is a very important process. Because the poet's works reflect his personality. And the environment in which he grew up, over time, its effects were found from his personality to his works. Miraji is a pioneer of modernity. He made new experiments in Urdu poetry. And he adopted a modern style, breaking away from tradition. In addition to lyric writing, he also experimented in the genres of poetry, like Nazam and Ghazal.He wrote critical essays that hold a unique place in Urdu literature. Various aspects of his art have been discussed in this chapter.The third chapter presents an overall critical review of Miraji's lyricism. His songs depict various aspects of life and human emotions and feelings. At the same time, there is a deep observation of human psychology. Which presents Miraji to the reader as a person with a conscious and creative mind. His songs are rich in musicality and lyricism. He presented the unwavering reality of human life through his songs, based on his studies and experience.Miraji had a deep affinity with the land of India. His songs show devotion to the Hindu Dev Malayalam culture and civilization there. In addition,the instability of this world, the changes that occur in it day by day, and how their cumulative effects affect human life. And through them, the ability to handle life's affairs with wisdom.This is the main aspect of his lyricism.Apart from this, he made many different aspects a part of his lyrics. Love and affection, happiness and sorrow, symbolic poetry, the use of punctuation marks are present in his songs. Reading his songs, where one feels the life, there is sadness and a ray of hope in time.His use of simple and short sentences, which are very big in their meaning, is a manifestation of the success of his lyricism.

Key Words: *Miraji, lyricists, Nazam and Ghazal, symbolic poetry, land of India.*

موضوع کا تعارف:

اردو ادب کی مختلف اصناف میں گیت نگاری کی صنف ایک ایسی صنف ہے۔ جس کا تعلق براہ راست عورت سے ہے۔ عورت کا کردار ایک عاشق کا کردار ہے، جو اپنے محبوب سے اظہار محبت کرتی ہے۔اس محبت میں جو احساسات وجذبات کی آمیزش کی وجہ سے نغمہ، سر،اور موسیقیت پیدا ہوتی ہے۔اسے گیت کا نام دیا جاتا ہے۔ گیت کا تعلق سماعت سے ہے۔ایک ایسی آواز جو دلوں کو راحت عطا کرے۔ گیت چونکہ عورت کی طرف سے والہانہ محبت کا اظہار ہے، اس لیے اس میں نزاکت، دھیمہ پن اور

جذبات کا بھرپور عمل دخل ہوتا ہے۔ گیت میں موسیقیت کا پہلو بہت اہم ہے۔ گیت کا تعلق زمین سے بہت گہرا ہے۔

"گیت کا امتیازی وصف یہ ہے کہ یہ ماں، زمین، یا معاشرے کے بطن میں پیدا ہونے والی کروٹ کا علم بردار ہے۔اسی لیے اس میں زمین سے وابستگی بہت توانا ہے۔"(1)

گیت کی آواز میں بہت سی زمینی آوازیں بھی شامل ہو جاتی ہیں۔چرند پرند، قدرتی مناظروں کا ترنم، ہنسی کی آواز وغیرہ شامل ہیں۔ گیت کسی بھی موضوع پر لکھا جاسکتا ہے۔اور اس کی کوئی ایک مخصوص ہیت نہیں ہے۔برصغیر میں گیت کی پیدائش کو حتمی طور پر بیان نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس خطے کا قدیمی مذہب ہندومت ہے۔ ہندومت میں گیت جن کو بھجن (مذہبی گیت) کہا جاتا ہے۔ان کی عبادت کا لازمی جزو ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندومت میں ابتدا سے ہی بچوں کو سُر اور راگ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ البتہ یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔کہ محبت کا یہ اظہار دیوی دیوتاؤں کے بعد انسان کے لیے بھی رائج ہو گیا۔

الفاظ ہماری زندگی میں بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ ہماری داخلی دنیا کے ترجمان ہیں۔ مختلف کیفیات چاہیے وہ خوشی کا عالم ہو یا غم کا اس کا اظہار صرف لفظوں کے ذریعے ہی ممکن ہے۔اسی طرح گیت کا تعلق بھی لفظوں سے ہے جو بے ساختہ طور پر دل سے نکلتے ہیں۔اور دلوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ گیت نسوانی جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔جب عورت گیتوں کے ذریعے اپنے جذبات کا اظہار کرتی ہے۔تو دراصل وہ اپنے جذبے آزادی کا اظہار کرتی ہے۔جو ایک مسافر کو دیکھ کر اس کے دل میں جنم لیتا ہے۔عورت کی گیت نگاری میں ایک ایسا جادو پنہاں جو مرد کو اپنی طرف راغب کرتا ہے۔بنیادی طور پر تو عورت عاشق اور مرد محبوب ہوتا ہے ، لیکن گیت کی صنف میں بہت سے مرد گیت نگاروں نے بھی طبع آزمائی کی ہے۔ جس میں مرد عاشق اور عورت محبوب ہوتی ہے۔ لیکن ان گیت نگاروں میں نسوانیت کا پہلو موجود ہوتا ہے۔جو کہ گیت نگاری کا امتیازی وصف ہے۔

"گیت محبت میں مبتلا عورت کے دل کی پکار ہے، لیکن ہر صنف شعر کے قاعدے کے مطابق اس میں بھی بعض اوقات تذکیر و تانیث سے بے اعتنائی کی روش ابھری ہے اور اس نے مرد کی طرف بھی اظہار محبت کی صورت اختیار کی ہے۔"(2)

گیت نگاری کی صنف ہندی زبان سے اردو میں شامل ہوئی اس لیے اردو گیت نگاری پر ہندی اثرات مرتب ہیں۔ اردو ادب کی تاریخ میں بے شمار ایسے گیت نگار پائے جاتے ہیں، جنھوں نے اپنی مہارت اور انفرادیت کے بل بوتے پر گیت نگاری کی صنف کو خاصی ترقی دی۔

گیت نگاری کی روایت بہت قدیم ہے۔پرانے وقتوں سے لے کر جدید دور تک اس کی جڑیں پھیلی ہوئی ہیں۔ موضوعات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ معاشرتی، معاشی، سماجی، محبت و غم، ہجر و وصال، خوشی، ملاپ، اور مذہبی رنگ پایا جاتا ہے۔لوک گیت، فلمی گیت، ادبی گیت، عوامی گیت، وطنی و قومی گیت جیسے مختلف قسم کے گیت اردو ادب میں موجود ہیں۔

امیر خسرو کو گیت نگاری کا بانی قرار دیا جاتا ہے۔ ان کے گیتوں میں عورت کی زبان سے محبت کا واضح اظہار دکھائی دیتا ہے۔انھون نے مختلف راگ راگنیوں کو ایجاد کیا۔اور گیت نگاری کے تمام بنیادی اور ضروری لوازمات کا استعمال کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پہ:

شبان ہجراں دراز چوں زلف روز وصلت چو عمر کوتاہ

سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں

دکنی دور کی شاعری میں گیت نگاری کی جھلک پائی جاتی ہے۔ بادشاہوں کے درباروں میں جب شعروں شاعری کی محفلیں جما کرتی تھیں۔ تو غزلوں میں گیت کا لہجہ پایا جاتا تھا۔ گیت کا تعلق چونکہ زمین سے ہے۔ تو بر صغیر کی تہذیب و ثقافت، وہاں کے موسم اور آب و ہوا، پھول، پرندے اور ہندوستانی عورت کے جذبات کا بھرپور اظہار ملتا ہے۔ ہندو دیو مالا کے قصے کہانیوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔

"اس دور کی غزل ہندی گیت کے اثرات کے تحت بت پرستی اور سراپا نگاری کی طرف واضح طور پر جھکی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔" (3)

لیکن دلی کے زمانے تک آتے آتے فارسی زبان کے اثرات زیادہ گہرے ہو جانے کے باعث ہندی زبان جو کہ گیت نگاری کا خاصا ہے، مدھم پڑ گئی۔ جس سے گیت نگاری کا خاصا نقصان ہوا۔ میر تقی میر کے کلام میں کہیں کہیں گیت کی جھلک محسوس ہوتی ہے۔ ان کی غزلوں کو گیت نگاری کی صنف میں شامل تو نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اس میں موجود ترنم اور موسیقی کا دھیمہ سا عنصر گیت نما محسوس ضرور ہوتا ہے۔

انیسویں صدی میں ڈراموں کے ذریعے گیتوں کے ابتداء ہوئی۔ اندر سبھا کے ڈرامے اس حوالے سے بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں پورے ہندوستانی معاشرے کی منظر کشی کی گئی۔ اس میں عشق و محبت کی داستانیں، ہندی دیو مالائی فضا، عورت کے جذبات اور اس کے طلسم کا اظہار وغیرہ شامل ہے۔ اس لیے اس کو ادبی اہمیت حاصل ہے۔

ان قصے کہانیوں کے کرداروں کے ذریعے جن داخلی کیفیات کو بیان کیا گیا ہے۔ اس سے گیتوں میں ایک خوشگوار سی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ لکھنوں کی تہذہب اور معاشرتی زندگی کی جو تصویر کھینچی گئی وہ قابل تعریف ہے۔ اندر سبھا کے بعد اردو ادب میں بہت سے ڈرامے تحریر کیے گئے۔ جن میں اسٹیج ڈرامے بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ ان میں ناچ گانوں کو زیادہ توجہ دی جاتی تھی۔ اس لیے گیت کی فضا پیدا ہوتی تھی۔ اس دور میں آغا حشر کا نام بہت مشہور ہے۔

جدید دور میں عظمت اللہ خان کا نام گیت نگاری کے حوالے سے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ ان کے گیتوں میں بڑی معصومیت اور سادگی پائی جاتی ہے۔ انھوں نے اپنے گیتوں میں ہندی بحروں کا استعمال نہیں کیا۔ ان کے ہاں عورت کی نفسیات پر بہت سے موضوعات ملت ہیں۔ معاشرتی مسائل کو بھی اپنے کلام میں شامل کیا ہے۔

اختر شیرانی نے عظمت اللہ خان کی گیت نگاری کو آگے بڑھایا۔ لیکن یہ ایسا دور تھا جہاں بیک وقت بہت سی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ جو ادب کو متاثر کر رہی تھیں۔ فارسی الفاظ کا استعمال اتنی ہنر مندی سے کیا کہ ہندی فضا بھی قائم و دائم رہی جو گیت نگاری کا خاصا ہے۔ انھوں نے لفظوں کے ذریعے موسیقی پیدا کی۔ اور اس حوالے سے ان کا نام بہت مشہور ہے۔ ان کے بعد ساغر نظامی اور تاثیر کا نام قابل ذکر ہے۔ ان دونوں گیت نگاروں نے ہندوستانی تہذیب، معاشرہ، رسم و رواج کو اپنے کلام کا موضوع بنایا ہے۔ ان کے ہاں لفظوں کا مناسب استعمال اور جذبے کی آمیزش نے ایک خوشگوار فضا قائم کی ہوئی ہے۔

گیت نگاری کی تاریخ میں نیا دور میراجی کی شمولیت کے باعث شروع ہوتا ہے۔ جہاں اردو گیت ایک تحریک کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ نئے امکانات کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔ ان کے گیتوں میں ہندوستانی دیومالاؤں کا ذکر کئی بار ملتا ہے۔ قدیم روایات

سے تعلق رکھتے ہوئے نئے خیالات کو اپنانا اور دونوں میں ایک توازن پیدا کرنا میراجی کے کلام کی خصوصیت ہے۔

شکیل بدایوانی نے فلمی دنیا کے لیے گیت تحریر کیے۔ اور اپنے کلام میں شاعرانہ معیار کو قائم رکھا۔ انھوں نے قوالی بھی تحریر کی۔ گویا انھوں نے مختلف موضوعات پر گیت لکھے اور فلمی دنیا کی ساتھ ساتھ ادب میں بھی اپنا مقام بنایا۔

ساحر لدھیانوی نے بھی فلمی گیت تحریر کیے۔ ان کا شمار ایک ایسے شاعروں میں ہوتا ہے جنھوں نے معنی اور موضوع پر بہت توجہ دی۔ ان کا انداز بیاں اس قدر مکمل اور جامع ہے، جو باقی شعراء کی ہاں کم دکھائی دیتا ہے۔ ان کے گیتوں میں عام انسان کے جذبات واحساسات کا مکمل اظہار ملتا ہے۔ جس کے باعث ان کے گیت عوام میں بہت مقبول ہوئے۔ ان کے ہاں روایت اور جدت کا حسین امتزاج ملتا ہے۔

سید مطلبی فرید آبادی کی شاعری میں ایک خاص پیغام ہے۔ یہ ایک ترقی پسند شاعر تھے۔ اس کے لیے ان کی سوچ بھی ترقی یافتہ تھی۔ اپنے دور کے معاشرتی و معاشی مسائل کو اپنے کلام میں شامل کیا۔

حفیظ جالندھری کے گیتوں میں رومانویت، عشق و محبت کے مضامین، دکھ درد، ہجر ووصال، سوز و گداز، موسیقی اور نغے کی آمیزش پائی جاتی ہے۔ حفیظ جالندھری نے اپنے جدید زمانے کے اعتبار سے گیت تحریر کیے۔ اور اس میں جدت پیدا کی۔ قدرت کے حسین مناظر کی تصویر کشی کرتے ہوئے، اپنے دلی کیفیات کا اظہار کیا۔ جس سے موسیقیت کی پر کشش فضا قائم ہو گئی۔ ان کے ہاں بندوں کی ترتیب اور گیت نگاری کی تکنیک کو مد نظر رکھتے ہوئے گیت تحریر کیے گئے۔ جو ان کے کلام کو مزید خوبصورتی بخشتا ہے۔ انھوں نے گیت نگاری میں نئے تجربات کیے۔ ان تمام خصوصیات کی بناپر ان کو انفرادیت حاصل ہے۔

فیض احمد فیض کے کلام کا دھیما پن، گیت کے مزاج پر پورا اترتا ہے۔ ان کی غزلوں میں موسیقت کی فضا رائج ہے۔ مختیار صدیقی کا نام گیت کے حوالے سے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ ان کے ہاں کلاسیکی موسیقی کے راگ راگنیوں کا استعمال کیا گیا ہے۔

قیوم نظر کے کلام میں قدرت کے ساتھ ایک والہانہ اظہار کی صورت دکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے فطرت میں موجود رقص اور موسیقی کو انسانی جذبات سے تشبیح دی ہے۔ انھوں نے لفظوں کو اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے۔ سیف الدین سیف نے زیادہ تر فلمی گیت تحریر کیے ہیں۔ ان کے کلام میں تصویر کشی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ لفظوں کے خوبصورت پیرائے میں قدرت کے دلکش مناظر کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ ان کے ہاں انتظار اور فراق کے موضوع پر بھی طبع آزمائی کی گئی ہے۔ ماضی کی یاد، بیتے لمحوں کی یاد ان کے کلام میں جابجا نظر آتی ہے۔

قتیل شفائی کی وجہ شہرت ان کے فلمی گیت ہیں۔ انھوں نے فلمی دنیا میں معیاری شاعری کر کے ادب کو اہمیت دی۔ ان کے کلام میں عام بول چال اور آسان زبان استعمال کی گئی ہے۔

مجید امجد کے ہاں میراجی کی طرح نئے رجحانات اور جدت پسندی پائی جاتی ہے۔ ان کے کلام میں اداسی کا عنصر بہت نمایاں ہے۔ ان کی شاعری میں لفظوں کے ٹکراؤں سے پیدا ہونے والی موسیقی ان کے کلام کو چار چاند لگا دیتی ہے۔

جھا، جھن، جھا، جھن، ڈگ تت، ڈگ تت من کی تان اڑانا

لیکن میرے دکھوں کے سانجھی میرے درد نہ گانا

مجموعی طور پر گیت نگاری کی روایت خاصی قدیم ہے۔ گیت ہی انسانی جذبات کے اظہار کا پہلا ذریعہ تھا۔ جس کے ذریعے انسان نے اپنی اندرونی دنیا کو دریافت کرنے کی سعی کی۔ اور معاشرے میں موجود تہذیب و ثقافت، بنیادی جڑیں، زمین اور مٹی سے گہرا تعلق گیت کے ذریعے ہی استوار ہوا۔ گویا اس حوالے سے گیت کی اہمیت اور قدر و قیمت میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ اور اس کے ذریعے انسانی زندگی کے بہت سے پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں۔

کسی بھی شخصیت کو سمجھنے کے لیے اس کی زندگی کا بغور جائزہ لینا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے ارد گرد کا ماحول، حالات و واقعات، اس کی شخصیت کا احاطہ کرتے ہیں۔ میراجی کی شخصیت ان کے فن کی طرح انوکھی اور مختلف نوعیت کی ہے۔ آپ کا اصل نام ثناء اللہ دار ہے۔ آپ کا سن پیدائش 25 مئی 1912ء ہے۔ ان کے والد ایک شاعر اور ڈرامہ نگار تھے۔ بچپن سے ہی ان کا تعلق ادبی دنیا سے رہا ہے۔ انھوں نے خود بھی ڈراموں میں حصہ لیا۔ ان کے والد کی ملازمت کے تحت انھوں نے مختلف علاقوں کا سفر کیا۔ لیکن ان کا تعلق بنیادی طور پر لاہور شہر سے تھا۔ اور انھوں اپنی تعلیم بھی لاہور سے حاصل کی۔

آپ نے کم عمری میں ہی لکھنے لکھانے کا کام شروع کیا۔ سکول کے زمانے سے ہی بہترین مضامین تحریر کیا کرتے۔ اور شعر کہنے کا ہنر بھی موجود تھا۔ "ساحری" تخلص استعمال کرتے تھے۔ ان کی زندگی کا سب سے اہم واقعہ جس کے باعث محمد ثنااللہ ڈار سے میراجی کا سفر طے ہوا۔ انسان کی زندگی میں کچھ واقعات اس قدر اچانک ہوتے ہیں کہ انسان کی شخصیت کو مکمل طور پر تبدیل کر دیتے ہیں۔ محمد ثناء اللہ ڈار کی زندگی میں بھی ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس کی وجہ سے ان کی شخصیت کا نقشہ بدل گیا۔

روایت کے مطابق میرا سین " جو ایک بنگالی لڑکی تھی، سے ان کو پیار ہو گیا۔ اور اس جذبے کی طاقت نے ان کی زندگی کو یکسر بدل ڈالا۔ آپ میٹرک میں تھے جب یہ حادثہ پیش آیا۔ اس کے بعد آپ اپنی تعلیم کو جاری نہ رکھ سکے۔ اور اپنا حلیہ، اپنا نام سب میرا سین کے مطابق کر لیا۔ میرا سین کی سہیلیاں ان کو میراجی کہہ کر پکارا کرتی، اس لیے ثناء اللہ دار نے اپنا نام میراجی رکھ لیا۔ اور آج دنیا ان کو اسی نام سے پہچانتی ہے۔ ان کی محبت ایک خاموش محبت تھی۔ جس کا اظہار تک ان کے نصیب میں نہ تھا۔ تمام عمر اس محبت کا بوجھ اپنے دل پر لیے رکھا۔ اور اپنی ایک الگ تصوراتی دنیا آباد کر لی۔ اور دوسری طرف اس دنیا پر قابو پانے کے لیے مطالعے کا سہارا لیا۔ اس حوالے سے وہ فرماتے ہیں:

" کچھ دن بعد مجھ پر جنون طاری ہو گیا۔ سوائے مرا سین کے خیال اور تصور کے میں کسی اور بات میں دلچسپی محسوس نہ کرنے لگا۔ میں نے اپنا نام ثناء اللہ ڈار کی بجائے میرا سین کے نام پر میرانی رکھ لیا۔ اس کے رکھ لینے کے بعد مجھے کچھ ذہنی سکون ملا۔ اس سکون کے لیے میں نے کتابیں پڑھنی شروع کر دیں۔ " (4)

کسی بھی شاعر یا ادیب کی تصانیف کو ان کی شخصیت سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ شاعر جو کچھ اپنی شاعری میں تحریر کرتا ہے وہ اصل زندگی سے لیے گئے خیالات ہوتے ہیں۔۔ اور ادیب جو کہانی بنتا ہے۔، اس کا تعلق کہیں نہ کہیں اس کے ارد گرد کے ماحول سے مماثلت رکھتا ہے۔ اسی طرح میراجی کی شخصیت اور فن کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں ان کی شخصیت نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہے، وہیں ان کے فن میں مختلف انسانی نفسیات کے شواہد ملتے ہیں۔

حلقہ ارباب ذوق کی تحریک جو انسان کی داخلی کشمکش پر زور دیتی ہے، میرا جی اس حلقے کے اہم رکن رہے۔ ان کی شمولیت کے باعث حلقہ ارباب ذوق میں بہترین تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اس تحریک کا ابتدائی دور جو کہ تشکیلی دور تھا۔ میرا جی کی موجودگی اور ان کی کاوشوں سے پروان چڑھا۔ انھوں نے اس تحریک کے لیے بہت کام کیا۔ اردو شاعری کو نئے انداز اور اسلوب سے روشناس کرایا۔ نئے تجربات کیے۔ اور اپنے گہرے مطالعے کی بنیاد پر انھوں نے روایتی انداز سے اجتناب کرتے ہوئے نئے موضوعات تشکیل دیئے۔ نئی روش پر چلنا ہر ایک کی بس کی بات نہیں ہوتی، اس کے لیے ذہن کا وسیع ہونا۔ اور چیزوں کو مختلف اور نت نئی نوعیت سے سے دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ایک تخلیقی ذہن ہی اس قابل ہوتا ہے کہ وہ ایک عام روش سے ہٹ کر ایک ایسا راستہ اختیار کرے جس سے ادب کو فائدہ ہو۔ اور اردو ادب کو میرا جی نے اپنے تجربات اور ذہانت کی بنا پر بہت فائدہ پہنچایا۔ اس حوالے سے وہ فرماتے ہیں

"نئی شاعری ایک مسلسل تجربہ ہے، خامیاں اس میں ہو سکتی ہیں۔ ہر تجربے میں ہوتی ہیں، لیکن اس کی خوبیاں اہمیت رکھتی ہیں کیونکہ تو وقت کی جانچ پڑتال کے بعد دور ہو جائیں گی۔" (5)

میرا جی نے مشرق و مغرب کے ادب کا گہرا مطالعہ کیا۔ مختلف شعراء کے کلام اور ان کی زندگی کے حالات و واقعات پر مضمون تحریر کیے۔ اور اردو ادب میں ان تمام شعراء کی زندگی سے حاصل ہونے والے تجربات کا برملا استعمال کیا۔ ان کی اس خصوصیت کی بنا پر ان کی خود کی شخصیت کے بہت سے پہلو سامنے آتے ہیں، جن سے ان کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے

شاعری کی صنف آزاد نظم کو جس قدر میرا جی نے اہمیت دی اور نئے لکھنے والوں کے لیے راستوں کو آسان کیا۔ اس کی مثال پورے اردو ادب میں کسی اور شاعر کے ہاں نہیں ملتی۔ انھوں نے نظم، غزل اور گیت میں طبع آزمائی کی۔ اور شاعری کی ان تینوں اصناف میں اپنی ذہانت کا ثبوت دیا۔ ان کی شاعری میں مشرق و مغرب کے اثرات، ہندی دیو مالا کی فضا، تصور، علامت نگاری، جنس نگاری، اور انسان کی اندرونی کیفیات کا عمیق مطالعہ نظر آتا ہے۔ جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ میرا جی صرف خارجی حالات و واقعات پر توجہ مرکوز نہ کرتے، بلکہ ان کے نزدیک انسان کیا سوچتا ہے؟ کیسے سوچتا ہے؟ زیادہ اہم رہا۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ ان کا خود کا حلیہ بھی قابل رحم تھا۔

انسانی زندگی مسلسل حرکت کا نام ہے۔ اگر یہ ٹھہراؤ اور سکون کا شکار ہو جائے تو زندگی میں ہی موت واقع ہو جاتی ہے۔ میرا جی بھی انسانی زندگی اور اس کائنات کو مسلسل تغیر پذیر سمجھتے اور کسی مخصوص نظریے پر قائم رہنے کو ناپسند کرتے۔ وہ ایک جدید انسان اور شاعر کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ اور یہ جدیدیت ان کے فن کی خاصیت رہی ہے۔ شاعری ہو یا نثر دونوں اصناف ادب میں میرا جی جدیدیت کے قائل رہے ہیں۔ اپنے عہد کے معاشرتی، معاشی، سماجی اور نفسیاتی مسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے نظموں کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا۔ اور ان تمام نظموں پر تنقیدی آراء پیش کی جو اس حوالے سے اہم سمجھی جاتی ہیں۔

آپ جو محسوس کرتے اس کا اظہار اپنی شاعری اور نثر میں بڑی سادگی لیکن دلچسپ انداز سے پیش کرتے۔ اور اپنی بات کی اہمیت کو قائم رکھنے کے لیے مختلف مثالوں کا بھی استعمال کرتے، جو ان کے علم کی عظمت کی طرف نشاندہی کرتی ہے۔ آپ نے تنقیدی مضامین کے علاوہ، خاکے، آپ بیتیاں اور دیباچے وغیرہ بھی تحریر کیے ہے ہیں۔

نثر کے حوالے سے ان کے تراجم اپنی الگ پہچان اور اہمیت رکھتے ہیں۔ ایک اچھے مترجم کی پہچان یہ ہوتی ہے، کہ اسے مختلف زبانوں پر مکمل عبور حاصل ہو۔ جس زبان میں وہ ترجمہ کر رہا ہے ،اور کس زبان سے کر رہا ہے، دونوں پر مکمل گرفت ہی ایک اچھا ترجمہ سامنے لا سکتی ہے۔ اور اس زبان کے علاقے کی تہذیب و ثقافت سے بھی بخوبی واقفیت بہت ضروری عمل ہے۔ کیونکہ ترجمے کے ذریعے ہی دوسری اقوام کی ثقافت اور رہن سہن سے آشنائی ممکن ہے۔

میراجی نے ترجمہ نگاری کی صنف میں جو شاندار تراجم کا اضافہ کیا۔ وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ "مشرق و مغرب کے نغمے میں انھوں نے مختلف ممالک سے تعلق رکھنے والے تخلیق کاروں کے ترجمے کیے۔ ان تراجم سے جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ کہ انسانی جذبات کے بہت سے پہلو ایک دوسرے سے مماثلت رکھتے ہیں، دکھ اور سکھ کے راستے اس دنیا میں موجود تمام انسانوں کے لیے ایک جیسے ہیں۔ خواہ ان کا سے تعلق ہماری زمین سے ہو یا نہ ہو۔

شاعری میں بھی یہ جذبات دنیا بھر میں یکسانیت رکھتے ہیں۔ میراجی کی شاعری کو سمجھنا اتنا آسان نہیں، لیکن انھوں نے ترجمہ نگاری کے لیے سلیس زبان کا استعمال کیا۔ جو ان کے ترجموں کو مزید حسن عطا کرتا ہے۔ انھوں نے صرف لفظی ترجمہ نہیں کیا، بلکہ معنی و مفہوم پر بھی خاصی توجہ دی۔ آپ کے ترجموں کے توسط سے اردو ادب میں نامور غیر ملکی شعراء کا کلام منظر عام پر آیا۔ شاعری کا ترجمہ کرنا نثر کے ترجمہ کرنے سے خاصا مشکل کام ہے۔ کیونکہ شاعری میں موجود مرکزی خیال کا زندہ رہنا اشد ضروری ہے۔ اور انھوں نے اپنی ذہانت کا ثبوت دیتے ہوئے شاعری کے اصل مفہوم کو قائم رکھا۔ جس کے باعث اصل متن کے علاوہ ترجمہ کیے ہوئی تحریر بھی اتنا ہی لطف عطا کرتی ہے۔ فیض احمد فیض ان کے تراجم کے حوالے سے اپنی رائے پیش کرتے ہیں۔

" میراجی کے ترجمے ایک گراں قدر تخلیقی کارنامہ ہیں۔ میراجی نے جس انداز سے ادب عالم کے حسین نمونے ہم تک پہنچائے وہ محض ترجمہ نہیں ایجاد ہے۔ " (6)

آپ نے ہندی اور سنسکرت زبان سے بہت سے تراجم کیے۔ اس لیے ہندی زبان اور ثقافت سے گہری وابستگی ہمیں ان کے کلام میں جا بجا نظر آتی ہے۔ نثر کے علاوہ شاعری میں جہاں آزاد نظم میں اپنے فن کا مظاہرہ کیا وہیں، پابند نظم، غزل اور گیت نگاری میں بھی طبع آزمائی کی۔ لیکن یہاں توجہ طلب بات یہ ہے کہ ان کے ہاں آزاد نظم میں جو جدیدیت کا جذبہ نظر آتا ہے وہ شاعری کی باقی اصناف میں دکھائی نہیں دیتا۔ ان کی پابند نظم، غزل اور گیت نگاری میں روایتی مضامین ملتے ہیں۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جہاں روایتی روش کی جڑیں مضبوط ہو وہاں جدیدیت اپنے قدم قائم رکھنے میں مکمل طور پر کامیاب نہیں ہو سکتی۔

اس لیے آپ نے آزاد نظم کے ذریعے جدید خیالات کا اظہار کیا۔ کیونکہ یہ ایک غیر روایتی شے تھی۔ آپ نے اپنی تحریروں میں جنس کے موضوع کو بہت اہمیت دی۔ جو کہ انسانی زندگی کا ایک اہم پہلو ہے۔ اس حوالے سے ان کو بہت تنقید سہنی پڑی اور ان کے فن کو سمجھنے کی بجائے ان کی ذات پر زیادہ توجہ دی گئی۔ جس کے باعث میراجی کا فن کہیں اندھیرے میں گم ہو کر رہ گیا اور ان کی زندگی سے جڑے چند واقعات کو افسانہ بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا گیا۔ جو ایک تخلیق کار کے فن کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہے۔

جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے فقط جنس نگاری ہی کی، اور باقی تمام موضوعات کی طرف توجہ نہ دی۔ جبکہ میراجی

نے 37 سالہ مختر عمر میں وہ تحریریں لکھ ڈالی ہیں، جو اردو ادب کی تاریخ میں کوئی اور نہ لکھ سکا۔ شاعر یا ادیب جس دور میں پیدا ہوتا ہے، اس کی تخلیقات اس دور کی عکاس ہوتی ہیں۔ وہ چاہ کر بھی اپنے حالات سے منہ نہیں موڑ سکتا۔ اور ایک شاعر عام انسان کی نسبت زیادہ حساس طبیعیت کا حامل ہوتا ہے، وہ اپنے معاشی اور معاشرتی حالات کو قلم بند کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ میاجی اپنے دور کے حالات سے بے خبر ہو کر فقط جنس نگاری کی پرستش کرتے رہے ؟آپ کا دور ایک جدید دور تھا جہاں مغربی زندگی کی تیزی پوری دنیا پر اپنے اثرات دکھا رہی تھی۔ ایسے میں میراجی جو کہ تخلیقی ذہن کے مالک تھے کیسے خود کو ان حالات سے بے خبر رکھ سکتے تھے۔ ان کی ادبی خدمات اس بات کی شواہد ہیں کہ انھوں نے اردو زبان وادب کے لیے بہت کام کیا۔

شاعری اور نثری تصانیف دونوں لحاظ سے آپ کی اہمیت اپنی جگہ قائم و دائم ہے۔ ان کی شخصیت بہت سی الجھنوں کا شکار رہی اور نفسیاتی طور پر بہت سے مسائل درپیش رہے، لیکن ان کی تحریروں میں ساری الجھنیں سمیٹی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ جو ان کے ایک باشعور شخص ہونے کی علامت ہے۔ اور جس وقت میراجی نے تنقید کرنی شروع کی اس وقت اس طرف کوئی خاص توجہ نہ دی جاتی تھی، یا پھر جو مضامین شاعری اور نثر کے لیے منتخب کیے وہ ان سے پہلے کسی اور کے ہاں موجود نہیں۔ اور ان ہی میں ایک موضوع جنس نگاری کا تھا۔ جس پر بات کرنا یا کچھ تحریر کرنا اچھی بات نہیں سمجھی جاتی تھی۔

لیکن اگر میراجی کے کلام کو آج کے دور کے حوالے سے دیکھا جائے تو اس کی اہمیت زیادہ ہو گی۔ جہاں فطرت اور کائناتی حقائق کو جاننے کی طلب پہلے کے انسان کی نسبت آج کے انسان کے اندر زیادہ پائی جاتی ہے۔ جہاں جنس کی حقیقیت سے منہ نہیں موڑا جاتا۔ بلکہ اس کے حقائق کو جاننے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مجموعی طور پر میراجی کے فن کو سمجھنے کے لیے اُن کی طرح آزاد خیال ہونے کی ضرورت ہے، تنگ ذہن اور محدود خیالات کا مالک انسان ان کے فن کی پہچان کرنے سے قاصر رہے گا۔ اور جب کوئی چیز انسانی ذہن کی سمجھ سے بالاتر ہو جائے تو وہ تنقید کا شکار ہو کر اپنی شکل بگاڑ دیتی ہے۔ جس سے اس کا اصل مفہوم ضائع ہو جاتا ہے۔ اور کچھ یہی رویہ میراجی کی تحریروں کے ساتھ بھی برتا گیا ہے۔

لیکن ان سب کے باوجود آپ کی تحریریں ایک کلاسک کا درجہ رکھتی ہیں۔ اور اردو ادب میں جدید نظم اور جدیدیت کے علمبردار میراجی کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ ان کی شعری اور نثری تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:

شعری مجموعے:

1. مشرق و مغرب کے نغمے
2. نگار خانہ
3. خیمے کے آس پاس
4. میراجی کی نظمیں
5. گیت ہی گیت
6. پابند نظمیں

7. تین رات
8. کلیات میراجی

تنقیدی لحاظ سے تصانیف:

1. حلقہ ارباب ذوق کے جلسوں میں تنقیدی گفتگو

نظموں کے تجزیاتی مطالعے:

1. اردو شاعری کے بارے میں مختلف مضامین میں تنقیدی آراء
2. مشرق و مغرب کے نامور شاعر کے تراجم کے ساتھ شاعر اور ان کے عہد پر تنقیدی آراء

نثری اعتبار سے:

1. ریڈیو کے لیے لکھے گئے سکرپٹ
2. "ادبی دنیا" اور "خیال" کے ادارے کے
3. آپ بیتی خاکے، تبصرے، دیباچے وغیرہ شامل ہیں۔ **(7)**

بیسویں صدی کے شاعر میراجی نے اپنی تخلیقی قابلیت کی بنا پر اردو ادب کو بہت سا قیمتی سرمایا عطا کیا ہے۔ان کے شعری سرمائے میں گیت کا رنگ بہت گہرا ہے۔ اور گیت کا تعلق سماعت سے ہے۔ ایک ایسی آواز جو دلوں کو راحت عطا کرے۔ میراجی کے گیتوں میں ان کے دل کی آواز کو محسوس کرنے اور ان کو سمجھنے کے لیے ایک نقاد کو ان کی شخصیت کے گرد گھومتی مختلف کہانیوں کو کچھ دیر کے لیے منظر سے غائب کر کے فقط ان کی تخلیقی صلاحیتوں پر توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ ان کی تحریروں کے ذریعے ان کی زندگی کو سمجھا جائے، نہ کہ ان کی زندگی کے واقعات کو ان کی تخلیقات پر فوقیت دی جائے۔ مختلف ناقدین نے یہی رویہ اپناتے ہوئے، اردو شاعری کو نئے اور جدید راستہ دکھانے والے بانی سے محروم رکھنے پر مجبور کیا۔ جبکہ میراجی کی بعد کی نسل اور آج کی نئی نسل کا شاعر میراجی کے بنائے ہوئے راستے پر رواں ہے۔ لیکن راستہ دکھانے والے کو یاد رکھنے سے قاصر ہے۔

چنانچہ اس باب میں میراجی کی گیت نگاری کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ تاکہ ان کی اہمیت اور مقام کو اجاگر کیا جا سکے۔ بنیادی طور پر گیت عورت کے جذبات کا اظہار ہے۔ لیکن اگر ایک مرد اپنے دلی جذبات کا اظہار گیت کے ذریعے سے کرتا ہے تو اس سے گیت کی صنف پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ بلکہ مرد کے اندر موجود نسوانی پہلو کو اجاگر کرتا ہے۔

میراجی کے اندر بھی یہ نسوانی پہلو موجود تھا۔ جس کے اظہار کے لیے انھوں نے گیتوں کا سہارا لیا۔ ان کے گیتوں کے دو مجموعے موجود ہیں۔ ایک **میراجی کے گیت** جو 1943ء میں شائع ہوا۔ اور دوسرا مجموعہ **گیت ہی گیت** کے نام سے 1944ء میں شائع ہوا۔

اگر شاعری کے اولین نقوش دیکھے جائیں تو وہ گیت نگاری میں نظر آتے ہیں۔ اردو گیت نگاری میں ہندی کے الفاظ یکسر ملتے ہیں۔ جو اس بات کے شاہد ہیں کہ گیت خالصتاً ہندی صنف ہے۔

شاعری ایک بے ساختہ عمل ہے۔ جو انسان کے لاشعور میں کہیں نہ کہیں پرورش پا کر جب تحریر بن کر اُبھرتی ہے تو ایک

آواز بن کر کسی کی تنہائی کو کم کرتی ہے تو کسی کے زخمی دل کو مرہم جیسا سکون دیتی ہے۔ شاعری میں موجود موسیقت کا عنصر وقتی طور پر اُن تمام غموں کو اپنے اندر سمونے کی طاقت رکھتا ہے جس سے انسانی زندگی دوچار ہوتی ہے۔ گیت کیسے بنتے ہیں؟ کہ حوالے سے میراجی رقم طراز ہیں:

"زندگی کی کشمکش کا مقابلہ کرنے کے لیے اور اس مقابلے میں سپنپنے کے بعد فراغت کی کیفیت سے مست ہونے کے لیے ابتدائی انسان کو سنگت کی ضرورت تھی اور تنہائی کے لمحوں میں اس کی اپنی آواز اس کا ساتھ دیتی تھی۔ غاروں میں رات کی تنہائی کو دل آویز بناتی تھی، جنگل میں شکار کے وقت ڈر کو مٹاتی تھی، اور ایک دکھائی نہ دینے والا سہارا بن کر لمبے سفر کی تکان دور کرتی تھی۔"(8)

آج کے انسان کا بھی کچھ ہی حال ہے۔ اپنی تنہائی کو کم کرنے کے لیے گیتوں کا سہارا لیتا ہے۔ ان گیتوں میں موجود کہانی کو اپنی کہانی سمجھ کر وقتی طور پر محسور ہوتا ہے۔ اور اس کو ایسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ اس کے اپنے دل کی آواز ہے۔ گیت نگاری کا دامن موضوعات کے حوالے سے خاصا وسیع ہے۔ انسان کے جذباتی مسائل سے لے کر اس کے معاشی و معاشرتی مسائل تک سب کے سب گیت کے موضوع ہیں۔

اردو ادب کی تاریخ میں بہت سے نامور گیت نگاروں نے ان موضوعات پر قلم بند کیا۔ جن میں اہم شخصیت میراجی کی ہے۔ جنہوں نے بہت کم عمر میں زندگی کو بہت قریب سے دیکھا اور جانا ہے۔ انسانی زندگی کی حقیقت کو قبول کرتے ہوئے ایسے خوبصورت گیت کہہ ڈالیں ہیں کہ ان کی زندگی بھی ایک ایسا گیت معلوم ہوتی ہے، جیسے ہر ایک نے اپنے اپنے طور پر گایا ہے۔ لیکن کوئی بھی ان کی اصل تک نہ پہنچ سکا۔ کبھی وہ ہر ایک سے بیزار اکیلے دکھائی دیتے، تو کبھی ہجوم میں گھرے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔

ان کے گیت پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ ہر چیز سے بے پرواہ بس اپنے گیتوں کی دھن میں مگن ہیں اور بس گیت ہی کیے جا رہے ہیں۔ ان کے گیت ان کی فنکارانہ خوبیوں کے عکاس ہیں۔ لفظوں اور جملوں کے تکرار سے انھوں نے گیتوں کو مزید متوجہ کا مرکز بنا دیا ہے۔ اور ایک انوکھی کشش ان کے گیتوں میں محسوس ہوتی ہے۔ اس لیے ان کے گیتوں میں کسی طرح کی اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا۔ ان کی نظموں اور غزلوں میں بھی گیت کی فضا چھائی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

ان کی زندگی کا سب سے اہم واقعہ جس سے ہم سب واقف ہیں۔ کس قدر رحم طلب محبت کی کہانی ہے جس میں اظہار محبت کا موقع تک نصیب نہ ہو سکا۔ جب کے ایک محبت کرنے والا دل اپنے اندر موجود جذبات کا اظہار کرنے کے لیے کس قدر بے چین نظر آتا ہے۔ اور یہ انسانی فطرت ہے کہ جب اس کو کوئی شے پسند آ جائے تو اسے حاصل کرنے کے لیے تگ و دو کرتا ہے۔ اپنی پسند کا اظہار کرتا ہے۔ مگر میراجی نے ساری زندگی محبت کے تصور میں گزار دی۔

اور اس تصوراتی دنیا کے باشندے بن کر اپنے دل کی دنیا کو راحت پہنچائی۔ اس لیے ان کے گیتوں میں اپنے محبوب کا تصور ہر جگہ موجود ہے۔ حقیقت کو تصور اور تصور کو حقیقت بنانے کا ہنر بھی صرف میراجی کے پاس ہی تھا۔ انسان کے بس میں جب کچھ ممکن نہ ہو تو وہ اس کے تصور سے ہی خود کو مطمئن کرنے لگتا ہے۔ اور خوابوں کی دنیا قائم کر کے حقیقت سے منہ موڑ لیتا ہے

یہی انداز ان کے چند گیتوں میں دکھائی دیتا ہے۔ میراجی نے اپنے تصور کو اس قدر حسین پیرائے میں بیان کیا ہے کہ وہ حقیقت ہی معلوم ہوتا ہے۔ان کے گیتوں میں خوابوں کی کیفیت نظر آتی ہے۔

تم کون ہو یہ تو بتاؤ ہمیں

کیا تم سپنوں کی مایا ہو یا اس جیون کی چھایا ہو

یونہی جال میں مت الجھاؤ

تم کون ہو یہ تو بتاؤ ہمیں

انسان کی زندگی کا ایک وقت مقرر ہے۔ اپنے وقت سے زیادہ انسان ایک پل بھی جی نہیں سکتا۔ یہ دنیا اور اس کی ہر شے فانی ہے۔ عارضی ہے۔آج ہے اور کل نہیں ہوگی۔ اور یہی اٹل حقیقت میراجی کے گیتوں میں جابجا نظر آتی ہے۔ جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا اور سمجھا ہے۔ان کے مختصر جملے جو معنی کے بے تحاشا خزانے اپنے اندر لیے ہوئے ہیں۔ ایک نئی شعری فضا کے عکاس ہیں۔اور اپنی ذہانت کے بل بوتے پر جن لفظوں کا انتخاب کیا اور اپنے منفرد طرز انداز سے گیت نگاری کی صنف کو چار چاند لگا دیے ہیں۔اس کی عمدہ مثالیں درج ذیل ہیں :

جگ جیون ہے جھوٹی کہانی

جگ میں ہر شے آنی جانی

ان دو مصرعوں میں ہی اس دنیا کی ساری حقیقت بیان کر دی گئی ہے، کہ اس دنیا کی کہانی کی کوئی حقیقت نہیں، ہر کہانی نے شروع ہو کر اختتام پذیر ہونا ہی ہوتا ہے۔ کوئی کہانی امر نہیں ہو سکتی۔ اس فانی دنیا میں ہر شے کو زوال حاصل ہے۔ وقت کسی کے لیے نہیں ٹھہرتا، اس کا کام مسلسل چلتے رہنا ہے، اور اسی دوران بہت سی چیزیں وقت کے ہاتھوں اپنی مدت مکمل کرتی ہیں اور ان کی جگہ نئی چیزیں اپنا وجود قائم کرتی ہیں، لیکن پھر سے وہی گول چکر شروع ہوتا ہے۔ اور وقت اختتام کو پہنچتا ہے۔انسانی زندگی کا بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔

جھوٹی کہانی جھوٹا سپنا کوئی نہیں دنیا میں اپنا

دل کا دردی کوئی نہ دیکھا کس نے سنی اور کس نے مانی

اس دنیا کی زندگی اور اس کے سپنے سب جھوٹے اور فانی ہیں۔ اور نہ ہی اس جگ میں کوئی اپنا ہے۔ سب خود غرضی کے مارے لوگ اس دنیا کے باسی ہیں۔ جو درد جس کے دل پر بیتا وہی اس کا رازدار ہے۔ کوئی اور اس کی کیفیت کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

اس دنیا کی بے حسی، بے دردی کا ذکر بھی انسانی زندگی کی ایک حقیقت ہے۔ دکھ اور سکھ ہی زندگی کے دو پہلو ہیں۔ کبھی دکھوں کے گرد زندگی گھومتی ہے تو کبھی سکھ کا سانس لینا نصیب ہوتا ہے۔ لیکن دونوں کبھی مسلسل نہیں رہتے۔ کبھی سکھ کی ٹھنڈی چھاؤں پل بھر کو سکون دیتی ہے تو زندگی خوبصورت لگنے لگتی ہے۔ لیکن جب دکھ کی تیز دھوپ جسم کو جھلاساتی ہے تو احساس ہوتا ہے کہ زندگی تو غم کے سوا کچھ ہے ہی نہیں۔ اور یہ دونوں کیفیات انسانی زندگی کے حالات و واقعات کے مطابق تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔اس حوالے سے میراجی کا گیت ملاحظہ فرمائیں:

جیون ایک مداری پیارے کھول رکھی ہے پٹاری

کبھی تو دکھ کا ناگ نکالے پل میں اسے چھپائے

کبھی ہنسائے کبھی رلائے بین بجا کر سب کو دکھائے

اس کی ریت انوکھی نیاری ، جیون ایک مداری

زندگی بر روز رنگ بدلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ کبھی یہ رنگ اتنا سنہرا ہوتا ہے جو کسی خواہش کے پورے ہونے کی علامت ہے، تو کبھی رنگ اتنا پھیکا پڑ جاتا ہے جیسے صدیوں سے ادھوری تمناؤں کا اس پر راج ہو۔ کہیں یہ رنگ محبت کی صورت اختیار کر لیتا ہے، تو کہیں نفرت کا بچاری بن جاتا ہے۔ اور ان تمام رنگوں میں انسانی زندگی کے طرح طرح کے رنگ وقت کے ساتھ ساتھ اپنے نشان چھوڑ جاتے ہیں۔ اور ہر گزرتا دن نئے رنگوں سے واقف ہو کر انسانی زندگی کو رنگین بنا دیتا ہے۔ ماضی کا رنگ، حال پر حاوی ہو کر مستقبل کے منصوبوں میں گھل مل جاتا ہے۔ اس حقیقت سے میراجی بھی واقف تھے چنانچہ ان کا اس حوالے سے گیت مندرجہ ذیل ہے۔

رنگ بدلتا جائے جیون نیا رنگ بھرمائے

جگ جیون پر رنگ کا بھیدی رنگ بدلتا جائے

ان کے گیتوں کا دوسرا پہلو انسانی دل کی بے بسی کا مظہر ہے۔ انسانی جسم کے اعضاء میں دل ایک ایسا عضو ہے۔ جس کی خاطر انسان وہ سب بھی کر دیتا ہیں ہے۔ جو کبھی اس نے سوچا بھی نہیں ہوتا۔ محبت جس دل میں بستی ہو وہاں بے بسی خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔ محبت ایک چھوٹا لفظ ہے مگر معنی اور مفہوم کے اعتبار سے اپنے دامن میں بڑی وسعت، معنویت اور جامعیت رکھتا ہے۔ یہ ایک ایسا لطیف جذبہ ہوتا ہے جو دل کو کسی کی طرف مائل کر دے۔ لیکن دل بہت نادان اور ناسمجھ ثابت ہوتا ہے۔ اس کو جس شے کی چاہت ہو بس وہی ہر دم، ہر وقت عزیز رہتا ہے۔ اس کے نزدیک ممکن اور ناممکن کا کوئی تصور موجود ہی نہیں۔ میراجی جیسے باشعور انسان بھی اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہے۔ اور ان کی بے بسی کا اظہار ان کے اس گیت میں واضح طور پر نظر آ رہا ہے۔

لاکھ سمجھاؤ ایک نہ مانے دل ہے ایسا باؤلا

جو چاہے وہ روگ لگا لے رستہ چلتے درد بڑھائے

آنکھ کو الٹی راہ بتائے

بھلا کہو تو بھلا نہ جانے

اس کو جتنا بھی سمجھایا جائے سب بے سود ثابت ہوتا ہے۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر انسان اپنی زندگی میں بہت سی تکلیفوں کا اضافہ کرتا ہے۔ اور کبھی اس سے جان نہیں چھڑا پاتا۔ یہی حال میراجی کا بھی تھا۔ ساری زندگی محبت کی نامکمل کہانی کو اپنے دل میں بسا کر رکھا۔ اور اس درد کو دل میں اتنا پالا کہ وہ تاعمر ایک مرض کی طرح جسم کو پلتا رہا۔ اور جب تک حیات رہے اسی غم کے سہارے زندگی کے دن کاٹے۔

کوئی نہ جانے ، کوئی نہ جانے میرے دل کا حال

جینا ہے جنجال مجھے، اب جینا ہے جنجال

ان کے گیتوں میں رموز و اوقاف کے استعمال سے ان کی شاعری کے اسلوب کو سمجھنے میں آسانی پیدا ہوگئی ہے۔ کیونکہ جب انسان آپس میں گفتگو کرتا ہے تو اس کے مختلف انداز سامنے آتے ہیں۔ جس سے اس کی بات کا مثبت یا منفی پہلو نظر آتا ہے۔ یا یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ بات کس طرح سے کی گئی ہے۔ اسی طرح شاعری یا نثر کے کچھ اصولوں میں رموز اوقاف کا استعمال کرنا بھی اتنا ہی ضروری اور اہم ہے، جتنا اس کی تحریر یا شاعری کے ذریعے پیغام پہنچانا ۔ کیونکہ لکھنے والے کی تحریر معنویت کے ساتھ ساتھ ظاہری طور پر بھی خوبیوں کی مالک ہو تو پڑھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور یہی خوبی میرا جی کے گیتوں میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

کون اٹل ہے ! جیون چنچل

داتا دے دے گیاں ہمارا من مورکھ ، نادان !

اس کو جانے کون؟

اسی طرح کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جہاں رموز و اوقاف کے استعمال سے تحریر کو حسن سے نوازا گیا۔

آپ جو کہ ایک علامتی شاعر تھے، اس لیے ان کی شاعری میں مختلف علامات کا استعمال کیا گیا ہے۔اوران کی شاعری میں علامتوں کے ذریعے نئے تجربات کیے گئے۔ سمندر، لہریں، دریا، ساگر، اندھرا، اجالا، رات دن وغیرہ جیسی علامات کا استعمال کیا گیا جو تحریر میں دلچسپی کے ساتھ ساتھ گہرے معانی بھی دیتی ہیں۔اور احساس ہوتا ہے کہ فقط لفظوں یا علامتوں کا جال ہی نہیں پھیلا ہوا بلکہ یہ اپنے اندر بہت وسیع زندگی کے حقائق لیے ہوئے ہے۔

ان کے ہاں رات اور دن کا تضاد اس بات کی علامت ہے کہ جہاں اندھیرا چھایا ہے وہاں تا عمر اندھیرے کا راج نہیں ہوگا بلکہ دن اپنی روشنی کے ساتھ ایک تبدیلی پیدا کرے گا ۔ جس سے اداسی کی فضا کم ہوگی۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ان کا ہاں مسلسل ایک اداسی چھائی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔اور رات ان کے لیے اپنے دکھوں اور تکلیفوں پر آنسو بہانے اور بیتے لمحوں کی یاد میں اپنے دل کو تڑپانے کے لیے بہترین ذریعہ ہے ۔ انسان دن بھر زندگی کے باقی کاموں اور مسائل میں الجھا رہتا ہے، مگر رات کو جب وہ سکون حاصل کرنے کے لیے آرام کرتا ہے تو وہ سارے دکھ اکٹھے ہو کر ایک بھیانک خواب کی طرح انسان کو چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں۔

اس لیے ان کی راتیں تو بس آنسو بہانے اور ادھوری خواہشات پر آہیں بھرنے میں بیت جاتی تھی، سکون کا لمحہ تو نہ جان کہاں چھپ کر بیٹھ گیا تھا۔

تارے ٹوٹیں، آنسو پھوٹے ساگر کب تھمنے والا ؟

نیا ڈولے، دل یہ بولے کھولے بندھن کون نرالا

رات کا جادو کالا ڈسنے والا رات کا جادو رات

رات کا جادو کالا، ڈسنے والا، یہ الفاظ رات کی اداسی اور لکھنے والے کے کرب کا صحیح طور پر اظہار کر رہے ہیں۔ کالی رات جب آپہنچتی ہے تو دل کے سارے اجالے رات کی سیاہی میں گھل مل کر کالے پڑ جاتے ہیں۔ اور ہر طرف دکھ کی فضا قائم ہو جاتی ہے۔ جس کا مکمل اظہار میراجی کے ان دو مصرعوں میں واضح طور پر سامنے آتا ہے۔

رات پھر سے جاگ اٹھی ہے

میٹھی اذیت چاہت کی رات پھر سے جاگ اٹھی

ساری رات آنسو بہانے میں کٹ گئی۔ اور آنکھوں میں آنسو کے باعث جو دھندلا پن پیدا ہوتا ہے، اس نے ہر شے پر اپنا اثر دکھایا اور چاند بھی دھندلا سا بادلوں کے درمیان نظر آتا ہوا محسوس ہوا۔ اور رات کا یہ اُداس رنگ ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہوا ہر طرف پھیلا ہوا ہے۔ جہاں دیکھو گھپ اندھیرا چھایا۔ ایک خوف سی کیفیت طاری ہے۔ اور رات پھر سے جاگ اٹھی ہے۔ رات کا استعارہ غم و خوف کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

انھوں نے لوک گیت بھی تحریر کیے ہیں۔ لوک گیت میں انسانی زندگی کے تمام مسائل کو بیان کیا جاتا ہے۔ ان کا تعلق انسان کے جذبات کا فطری اظہار سے ہے۔ اس میں انسان کے دلوں کی آوازیں محفوظ ہیں۔ اور یہ ایسے گیت ہوتے ہیں جو اجتماعی طور پر عوام کے جذبات کا ذریعہ اظہار بنتے ہیں۔

انسان جب خوش ہوتا ہے تو جسمانی طور پر وہ اس کا اظہار رقص کے ذریعے کرتا ہے، لیکن جب یہ اظہار زبان کے ذریعے سے کیا جائے تو وہ گیت کی صورت میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ پہلے پہل انسان اپنے جذبات و خیالات کے اظہار کے لیے لوک گیتوں کا سہارا لیا، جس میں ان کی تہذیب و ثقافت، رہن سہن، رسم و رواج سب موجود ہے۔ اس لیے ان کی اہمیت اپنی جگہ قائم و دائم ہے۔ میراجی نے لوک گیت کے ذریعے معاشرے کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کی ہے۔ اور ان معاشرتی مسائل کا ذکر کیا جو آج کے دور کے انسان کو بھی درپیش ہیں۔

ذات پات کو مارو گولی ذات پات کی دنیا ہولی

اب ہے نیا زمانہ چھوڑو رونا رلانا

ذات پات کے چکروں میں انسانیت کہیں کھو سی گئی ہے۔ اور معاشرے میں دقیانوسی روایت نے اپنے قدم جما رکھے ہیں۔ جس سے سارے معاشرتی نظام کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ اور ہر طرف نا انصافی ، قتل و غارت، لڑائی جھگڑے کی فضا قائم ہے۔ جس معاشرے کو امن و سلامتی کا گہوارہ ہونا چاہیے تھا، جہاں بھائی چارے کو فروغ ملنا چاہیے ۔ وہاں ان سب کا سراغ لگانا بھی محال ہوتا جا رہا ہے ۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ معاشرہ تباہی کی طرف بڑھتا جا رہا ہے۔ ناانصافی اور لوگوں کی حقوق تلفی عام ہو گئی ہے۔

جب اس دینا کی کہانی سے سب واقف ہیں کہ یہ اس کا کھیل عارضی ہے۔ یہاں کچھ بھی ہمیشہ کے لیے نہیں پھر اس جھگڑوں سے کیا حاصل ہو جائے گا؟ فقط وقتی تسلی کی خاطر انسان اپنے آپ کو خود ہی برباد کرنے پر تلا ہے۔

مٹنے کو ہیں گھاؤ

گلیوں میں مزدور پکارے مار والوٹو ا کھاؤ آؤ آؤ

شاعر اپنی ذاتی زندگی کے مسائل کے ساتھ ساتھ اپنے ارد گرد کے ماحول سے بھی واقفیت رکھتا ہے۔ اور اس کا احساس عام انسانوں کی نسبت حساس دل شاعر یا تخلیق کار کو زیادہ ہوتا ہے۔ اور آج تک ایسا کوئی شاعر یا مصنف نہیں گزار جس نے اپنے زمانے کے حالات کا اظہار اپنی تخلیقات کے ذریعے نہ کیا ہو۔ اور میراجی کا زمانہ بھی ایسا تھا جہاں حالات تیزی سے بدلتے ہوئے اجتماعی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کر رہے تھے۔

بہت سے معاشی، فکری، علمی، ادبی، سائنسی حالات کا ایک ساتھ سامنا تھا۔ زمانہ بدل رہا تھا اور انسانیت کے تقاضے بھی۔ لہٰذا ایک باشعور ذہین اور حساس دل کا مالک تخلیق کار کا قلم ان مسائل کو صفحے پر اتارنے اور مظلوم لوگوں کے لیے آواز اٹھانے کے کام آتا ہے۔ جو معاشرے میں تو ایک اہم کردار ادا کرتے ہی ہیں، ساتھ ساتھ اپنی شخصیت میں موجود انسانیت کے تقاضوں کو بھی پورا کرتے ہیں۔ کیونکہ معاشرہ ادب کو متاثر کرتا ہے، لیکن جب ادب تخلیق ہوتا ہے تو وہ معاشرے پر اثر انداز ہوتا ہے۔

ان کے گیتوں کی فضا میں ہندوستانی تہذیب و ثقافت، دیومالا سے عقیدت و محبت کا جذبہ اور ہندی اساطیر وغیرہ شامل ہیں۔ گیت چونکہ ہندوستانی زبان کا خاصا ہے، لہٰذا اردو زبان میں گیت نگاری کرنے کے باوجود ہندی کے اثرات خود بخود شامل ہو جاتے ہیں۔

ہندی سر زمین سے میراجی کا تعلق کافی گہرا ہے۔ وہاں کی آب وہوا ، موسموں سے ان کو نسبت حاصل ہے ۔ اور منظر نگاری کی خوبی کی بنا پر ان کے گیت ایک خاص ہندی فضا کے حامل نظر آتے ہیں ۔ مثال کے طور پر:

پھول پہ اوس کی بوندیں دیکھیں

جیسے جیسے جگمگ جگنو چمکے

اس کے علاوہ ان کے گیتوں میں مندر، پوجا، پجاری، نرناری جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ مثال ملاحظہ فرمائیں:

مندر میں بیٹھا ہے پجاری

آئیں نہ پوجا کو نرناری

چھوڑ گئے ہیں سب سنساری

کیسے انھیں بلاؤں ساجن کونسی تان لگاؤں ساجن

اس گیت میں ایک مندر کا منظر کھینچا گیا ہے۔ جہاں ہر کوئی پوجا کرنے والا نرناری نہیں آیا۔ چھوڑ کر سب چلے گئے ہیں۔ اور اب ایسا کون سا تان لگایا جائے کہ سب پہلے کی طرح پوجا کرنے آجائیں۔ اور یہ انسان کی زندگی کا خلاصہ بھی ہے کہ جب کوئی زندگی سے چلا جاتا ہے تو وہ واپس نہیں آتا چاہے جتنے ہی تان کیوں نہ لگائے جائیں۔ جتنی ہی منتیں، کوشش کی جائے، جانے والا واپس نہیں آتا۔ اور یہی دنیاداری ہے جب تک انسان کی پوجا کی جائے وہ ساتھ رہتا ہے اور جب عبادت میں تھوڑی سی کمی پیشی ہو جائے تو چھوڑ جانا بہتر سمجھتا ہے۔

آپ نے ہندی الفاظ کا موزوں استعمال کرتے ہوئے گیتوں میں دو رنگ عطا کیے۔ ایک ہندوستانی فضاء کا رنگ تو دوسرا

معنویت کا رنگ، اور یہ دونوں خالص رنگ ان کے گیتوں کو حسن عطا کرتے ہیں۔ انھیں ہندو مذہب سے گہری دلچسپی تھی۔ ہندی دیومالا سے عقیدت کا احساس بھی نمایاں ہوتا ہے۔

جیے ستیل جیے ستیلا تیرے درشن ہیں دکھ بھجن

سکھ ہے تیری دیا کے کارن

ان کے گیتوں میں دیس اور مٹی سے محبت کا جذبہ بھی نظر آتا ہے۔ جس قدر انسان اپنی مٹی سے قریب ہوتا ہے، اسی قدر وہ زندگی اور فطرت کے قریب رہتا ہے۔ پوری دنیا بھی گھوم لی جائے تو اپنے وطن کے سوا کوئی عزیز نہیں ہوتا۔ جو سکون اور اپنائیت اپنی زمین اور اپنے وطن سے ہوتی ہے۔ اس کا کوئی نعم البدل ممکن نہیں۔ اور اسی احساس کو آپ نے گیت میں ڈھال امر کر دیا ہے۔ جو ہر پردیسی کے دل کی آواز محسوس ہوتی ہے۔

جو بھی جائے دیس پرائے

پر پھر کر پھر گھر کو آئے

اپنے وطن اور دیس کی ہر چیز سے پیار ہوتا ہے۔ اس کے دن اس کی راتیں، اس کے موسم، اس کے لوگ، ہر شے کا ایسا جادو پڑھا ہوتا ہے جو انسان کبھی توڑ نہیں سکتا۔ اور نہ ہی یہ چیز اس کے بس میں ہوتی ہے۔ جب انسان کو پیدا کیا گیا تھا تو اس کی فطرت میں اپنے وطن سے محبت کا جذبہ پیدا کیا گیا جو ہمیشہ اس کے دل کی آواز بن کر اُبھرتا رہتا ہے۔

گیت عورت کی نفسیات کا آئینہ دار ہوتے ہیں۔، چنانچہ اس میں عورت کی نازکی اور نفسیات کا عمل دخل ہوتا ہے۔ میراجی کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے عورت کی نفسیات اور احساسات کا بغور جائزہ لیا ہے۔ جس سے ان کی اپنی شخصیت میں موجود نسوانی پہلو سامنے آتا ہے۔ اس لیے ان کے گیتوں میں عورتوں کے جذباتی سطح کو مختلف طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔ ہجر کی کیفیت اور عورت کی نازکی کو انھوں نے بڑی محنت سے پیش کیا ہے۔ مثال کے طور پر:

رکھا کے لاکھوں ہی تیر دل پر کس کو سہوں کی میں

چاروں اور جھومے ہریالی چھائی گگن پہ گھٹا متوالی

۔ان کے ہاں عورت نہیں بلکہ عورت کا تصور ہمیشہ حاوی رہا ہے۔ تصور میں انسان اپنے آپ کو اور اپنے ارد گرد کے ماحول سے بے نیاز ہو کر فقط اس تصوراتی دنیا کے طابع خود کو کرلیتا ہے، جس کا حقیقت سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

ان کے ہاں بھی عورت کا وجود حقیقی دنیا میں موجود نہ تھا، لیکن تصوراتی دنیا میں ان کے ذہن میں عورت اور اس سے عقیدت و محبت کا جذبہ قائم تھا ۔ان کو ویسے ہی تصورات سے عشق تھا۔ جن سے وہ اپنے خیالات کا تبادلہ کرتے رہے۔

"جی چاہتا ہے کہ بازاری گویا بن کر گلی گلی بستی بستی پھروں۔۔۔ایک عورت اور ایک ہارمونیم کی پیٹی پہلو میں لیے اور دنیا یہ سمجھے کہ وہ ہمارا تماشا دیکھ کر رحم کھاتی ہے۔ اور میں یہ سمجھوں کہ تماشائی ہوں۔ (9)

یہ یقیناً اسی عورت کا تصور ہے جس سے ان کو عقیدت تھی۔ تو خوابوں اور تصوراتی دنیا میں ہی اپنے خیالات کا تبادلہ کیا۔

اور اس تصور میں اتنی گہرائی پائی جاتی ہے کہ حقیقت معلوم ہونے لگتی ہے۔۔ان کے گیتوں میں اس کی جھلک بعض جگہوں پر دکھائی دیتی ہے۔

اس کے علاوہ وہ عورت کی خوبصورتی اور اس کے حسن کی بھی تعریف کرتے ہیں، اپنے محبوب کو تصور میں لا کر بھی وہ ان کی آنکھوں کی تو کبھی بالوں کی بات کرتے ہیں۔اور ان کے گیت پڑھ کر ایک میٹھا سا احساس پیدا ہوتا ہے۔ جیسے کسی پیار کرنے والے نے بہت دل سے اپنے محبوب کے نقش و نگار کا قصہ چھیڑا ہو۔ محبت و عقیدت کا جذبہ ان کے ہاں اپنے محبوب کو لے کر بہت پاکیزہ ہے۔

تیکھی چتون ، گہرا کاجل کومل آنچل ، اڑتا بال

جیوتی ماتھے کے آنگن کے گیسو پر چھائیں ناگن کی

ان کے ہاں جہاں اداسی نظر آتی ہے، وہیں امید کی کرن بھی دکھائی دیتی ہے۔اُمید پر دنیا قائم و دائم ہے۔زندگی سے مکمل طور پر نا امیدی انسان کو بہت نقصان دیتی ہے۔ دکھ اور سکھ دونوں زندگی کے ساتھی ہیں، اور ان دونوں کے بغیر صرف کسی ایک سہارے جینا آسان نہیں۔اس لیے اچھی اُمید رکھنا، اچھی چیز کی آس رکھنا انسان کی فطرت میں شامل ہے۔

جو ممکن نہیں اس کو ممکن بنانے کے لیے ایک امید کی کرن انسانی زندگی میں خوشی کی روشنی لے کر آتی ہے۔اس کو آگے بڑھنے کی ہمت و طاقت عطا کرتی ہے۔اور یہی امید میراجی کے گیتوں میں نظر آتی ہے، جہاں وہ خود کو تسلی دیتے ہوئے اپنے اچھے دنوں کا انتظار کرتے ہیں۔ جہاں اندھیری رات بہت جلد دن کے اجالے میں بدل جائے گی۔اور غم کے آنسوؤں کی جگہ خوشی کے گیت اپنا جادو دکھائیں گے۔ جہاں ایک تخلیقی ذہن معاشرے میں مختلف موضوعات پر مضامین تحریر کرتا ہے، وہیں امید کا مضمون ایک ایسا موضوع ہے جس سے وہ اپنے قارئین کے لیے زندگی کے بہت مسائل سے سامنا کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔اور یہ اتنا ہی ضروری ہے جتنا انسانی زندگی کے لیے سانس لینا۔ اس حوالے سے ان کا گیت درج ذیل ہے۔

رات گئی ، رات گئی کالی کالی رات گئی

آ ہی گئیں اب سکھ کی گھڑیاں

پل میں تارے آئیں گے

سونے گگن میں اپنی اگن سے جیون جوت جگائیں گے

انسانی سوچ کے دریچوں میں چھپا ہوا خوف، ایک اچھی امید پر ہی غائب ہو سکتا ہے ۔اس معاشرے میں نا امیدی کی فضا ہر طرف پھیلی ہوئی ہے ، کہ آگے بڑھنے کے سارے راستے بند محسوس ہوتے ہیں ۔ اس لیے ہمارا ادب جہاں روزگار کے باقی معاملات میں اپنا کردار ادا کررہا ہے ، وہیں ہمارے شاعر اپنی شاعری کے ذریعے امید اور خوشی کے موضوع کو اختیار کرتے ہیں ۔ تاکہ اپنے قارئین کے لیے باعث مسرت بن سکے۔ اور ایک اچھے شاعر کے کلام میں یہ خوبی موجود ہوتی ہے ۔

ان کے گیتوں کے تمام موضوعات اور پہلو اپنی جگہ بہت اہمیت کے حامل ہیں۔انھوں نے دوگانا بھی تحریر کیے، جس میں مرد اور عورت گیت کی صورت میں ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے ہیں۔اور ایک موسیقت کی فضاء قائم ہوتی ہے۔اکثر فلمی دنیا

میں ان گیتوں کو گایا جاتا ہے۔ان کے گیت موسیقیت اور غنائیت سے مالا مال ہیں۔

انھوں نے روایتی طرز احساس، طرز بیان ، لہجے اور لفظوں سے بغاوت کرتے ہوئے اردو شاعری کو نیا راستہ دکھلایا۔ جس سے آج کی شاعری فیض یاب ہو رہی ہے۔ان کے گیتوں میں زندگی کے متعلق جو حقائق بیان کیے گئے ہیں، وہ ان کی سوچ اور غور و فکر کو واضح کرتی ہے۔ کہ وہ ایک باشعور انسان تھے، جو زندگی کے متعلق سوچتے تھے ، اور اس کی اصل روح کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔

ان کے ہاں چھوٹے چھوٹے اور سادہ جملوں سے بہت گہرے اور مکمل معنی دریافت ہوتے ہیں۔ان کے ہاں بات مختصر اور متاثر طریقے سے کرنے کا ہنر پایا جاتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی بحروں کا استعمال جملوں میں خوبصورتی پیدا کرتا ہے۔اور قاری اکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتا۔

انھوں نے زندگی کے بھید سے آشنا ہونے کے لیے گیانی کی مدد لی ہے۔ان کے بہت سے گیتوں میں گیانی سوچ و بچار کر کے زندگی کے فریب سے خبردار کرتا دکھائی دیتا ہے۔

مورکھ دھوکے کھائے، گیانی مایا بھید بتائے

مجموعی طور پر میراجی کے گیتوں میں موضوعات کی ایک لمبی فہرست ملتی ہے۔انھوں نے زندگی کے ہر پہلو کو گیت کی نظر کر دیا۔ان کے گیت پڑھ کر لگتا ہے جیسے کوئی انسانی زندگی کے تمام رازوں کو آفشاں کر رہا ہو۔کہ آخر کون ہے ایسا جس نے زندگی کے مسائل سے چھٹکارا حاصل کیا ہو؟ جب تک زندگی ہے تب تک دکھ اور سکھ ساتھ ساتھ ہیں۔کسی نے جیتے جی ان سے رہائی نہیں پائی۔

ان کے گیتوں میں موجود خلوص ان کے جذبے اور لفظوں میں انوکھی خوبصورتی پیدا کر دیتا ہے۔اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو گیت نگاری سے لگاؤ تھا۔انھوں نے بہت محبت سے اپنے گیتوں کو تحریر کیا۔اور یہی وجہ ہے کہ ان کے گیت ہر دور کے انسان کے لیے باعث تسکین ہیں۔

سب کے دل کا گیت سہارا

گیت سے ہوگی نیا پار

زمانہ قدیم سے گیت انسانی جذبات واحساسات کے اظہار کا مؤثر ذریعہ رہے ہیں۔اردو ادب میں گیت نگاری کی صنف کے ذریعے بہت سے گیت نگار، اور ان کی تخلیقی صلاحیتوں کے بل بوتے پر بہت سے بہترین گیت ادب میں شامل ہوئے ہیں۔۔جو اپنے موضوع اور اسلوب بیان کی وجہ سے کافی مقبول ہوئے۔ان ہی میں ایک معروف نام میراجی کا بھی ہے۔جن کے گیت اپنی انفرادیت کی بنا پر اپنا الگ مقام رکھتے ہیں ۔ اسی مقام و مرتبے کو واضح کرنے کے لیے یہ مقالہ پیش کیا گیا ہے ۔

نتائج

میراجی کی گیت نگاری اردو شاعری میں محض ایک عارضی یا سطحی تجربہ نہیں تھی بلکہ یہ ایک ایسا فنّی و فکری انقلاب تھا جس نے

اردو شعری روایت کے دائرے کو وسعت عطا کی۔ اس سے پہلے اردو شاعری میں گیت ایک اجنبی صنف سمجھا جاتا تھا۔ اگرچہ ترقی پسند تحریک کے بعض شعرا نے گیت لکھنے کی کوشش کی، لیکن ان کا مقصد زیادہ تر گیت کو عوامی اظہار یا سیاسی نعروں کے قریب لانا تھا۔ میراجی نے اس روایت کو بالکل مختلف رخ دیا۔ انہوں نے گیت کو اردو کے شعری مزاج کے ساتھ ہم آہنگ کیا اور اسے محض نغمگی یا سطحی جذبات تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے انسانی داخلی کیفیات، نفسیاتی پیچیدگیوں اور وجودی سوالات کے اظہار کا وسیلہ بنایا۔

میراجی کے ہاں گیت کا تصور موسیقی اور نغمگی کے ساتھ ساتھ علامت، تجرید اور جمالیات سے بھی وابستہ ہے۔ ان کے گیت صرف "محبت" یا "ہجر و وصال" جیسے روایتی موضوعات کا بیان نہیں کرتے بلکہ انسانی وجود کی گہرائیوں میں جھانکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ تنہائی، موت، خوف، کرب اور داخلی انتشار جیسے موضوعات کو بھی گیت کی لطافت اور نغمگی کے پردے میں پیش کرتے ہیں۔ یوں ان کی گیت نگاری صرف فنی نہیں بلکہ فکری جہت بھی رکھتی ہے۔ اردو شاعری کی تاریخ میں میراجی کی یہ جدت اس لیے بھی انقلابی حیثیت رکھتی ہے کہ انہوں نے اردو زبان کو لسانی و صوتی سطح پر ایک نیا تجربہ دیا۔ انہوں نے ہندی، سنسکرت اور مقامی بولیوں کے الفاظ کو اردو کے ساتھ جوڑ کر ایک نیا شعری آہنگ پیدا کیا۔ اس آہنگ میں صرف لسانی تازگی نہیں بلکہ ایک نئی موسیقیت بھی شامل تھی، جو اس سے پہلے اردو شاعری میں کم دیکھنے کو ملتی تھی۔ ان کے گیتوں میں تکرار، ردھم اور صوتی ہم آہنگی اس طرح استعمال ہوئی کہ قاری یا سامع محض الفاظ نہیں بلکہ ایک موسیقی کو محسوس کرتا ہے۔

میراجی کی گیت نگاری پر اس وقت کے ناقدین نے اعتراضات بھی کیے۔ بعض نے کہا کہ یہ اردو شاعری کے مزاج سے بیگانہ ہے اور یہ کہ میراجی کی زبان میں اجنبیت اور ہندی الفاظ کا حد سے زیادہ استعمال اسے عام قاری سے دور کر دیتا ہے۔ لیکن وقت نے ثابت کیا کہ ان کے یہ تجربات محض "غیر ضروری اجنبیت" نہیں تھے بلکہ یہ اردو شاعری کو عالمی ادبیات کے قریب لانے اور اس میں نئی جمالیاتی روح پھونکنے کی کوشش تھی۔ اسی لیے بعد کے نقاد، جیسے شمس الرحمٰن فاروقی اور گوپی چند نارنگ، نے یہ تسلیم کیا کہ میراجی کی گیت نگاری دراصل اردو شاعری کی ایک تخلیقی ضرورت تھی۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ میراجی نے اردو گیت نگاری کو ایک مستقل اور باوقار مقام دیا۔ انہوں نے ثابت کیا کہ گیت محض تفریح یا نغمگی کا ذریعہ نہیں بلکہ یہ ایک گہرا تخلیقی سانچہ ہے جس کے اندر انسانی وجود، نفسیات اور کائنات کے سوالات سموئے جا سکتے ہیں۔ ان کی گیت نگاری اردو شاعری میں جدیدیت، جمالیات اور داخلی صداقت کی نمائندہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج جب ہم اردو ادب کی جدید روایت کا مطالعہ کرتے ہیں تو میراجی کا نام اس تحریک کے سب سے زیادہ جدت پسند اور فنّی شعور رکھنے والے شاعر کے طور پر ابھرتا ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات (References)

1. وزیر آغا، ڈاکٹر، "اردو شاعری کا مزاج"، لاہور: مجلس ترقی ادب، جون 2019ء، ص 150
2. ایضاً ------- ص150
3. نفیس اقبال اردو گیت نگاری لاہور، سنگ میل پبلشرز، 1986 ء، ص78
4. رشید امجد، ڈاکٹر، "میراجی کی شخصیت و فن"، لاہور، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، 1995ء، ص 29
5. ayub, shahzada imran, saad jaffar, and asia mukhtar. "english-

challenges confronted by contemporary muslim world and their solution in the light of seerah." *the scholar islamic academic research journal* 6, no. 1 (2020): 379-409.

6. جمیل جالبی ، " میراجی ایک مطالعہ "، نئ دہلی ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس ،1991 ، ص14

7. مرتب :، جمیل جالبی ، ڈاکٹر ، کلیات میراجی ، لندن ، اردو مرکز1988 ء س ن

8. *Muhammad, Sardar, Saad Jaffar, Noor Fatima, Syed Ghazanfar Ahmed, and Asia Mukhtar. "The Story of Sulaiman (Solomon) and Bilquis (Sheba): Affinities in Quranic and biblical versions." J. Legal Ethical & Regul. Isses 25 (2022): 1.*

9. میراجی، "میراجی کے گیت"،لاہور، مکتبہ اردو،1943ء، ص9

10. شمیم حنفی ، " میراجی اور ان کا نگار خانہ ، نئ دہلی ، اچ ایس آفسیٹ پرنٹرز ،2013 ء ص**21**